رجسٹرڈ انگلش نمبر

شرح چندہ
سالانہ .... سے
ششماہی .... سے
سہ ماہی .... عہ

قیمت پرانا پرچہ ۴ر

فرخندہ بنیاد حیدرآباد دکن

ہفتہ وار

مملکت

ایڈیٹر
میر حسن الدین بی۔ اے۔ ال ال بی (عثمانیہ)

رجسٹرڈ آصفیہ نمبر ۱۸

شرح چندہ
سالانہ .... سے
ششماہی .... سے
سہ ماہی .... عہ

قیمت فی پرچہ (۲ر)

جلد ۴ | ۱۳ اردی بہشت ۱۳۵۴ف | ۲ ربیع الثانی ۱۳۶۴ھ | ۱۷ مارچ ۱۹۴۵ء شنبہ | نمبر ۴۹

بدیسی اشیاء کی درآمد سے ہندوستانی صنعتیں متاثر ہو رہی ہیں

وفاقی ایوان ہائے تجارت و صنعت کے حالیہ سالانہ جلسہ میں جو بمقام دہلی منعقد ہوا تھا ملک کی معاشی ضروریات اور ان کی تکمیل میں حکومت کی ناکامی سے متعلق رائے عامہ کی صحیح طور پر ترجمانی کی گئی ہے۔ مسٹر جی سی میلواڈے نے اپنے صدارتی خطبہ میں حکومت کی عام پالیسی پر نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا کہ۔

اگرچہ ہر شخص اس ملک کے حکام سے توقع کر سکتا تھا کہ وہ اس کی بہتری کی کوشش کریں گے اور صنعتوں سے ان کی انتہائی قوت تک استفادہ کیا جائے۔ لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ جدید ری کنسٹرکشن کا جو منصوبہ پیش نظر ہے وہ ایسا ہے کہ ہماری بعض اہم صنعتوں (مثلاً فولاد اور کیمیاوی صنعتیں) کی قوت کار کو مزید گھٹا دیا جائے گا۔ ان صنعتوں کو کوئلہ کی بڑی مقدار درکار ہے۔ ان کی کنٹرول شدہ پیداوار کی پابجائی کے لئے بیرونی ممالک خاص کر انگلستان سے مشینیں درآمد کی جائیں گی۔ کیا حکومت نے اس مسئلہ کے سامنے خوفناک مضمرات کے پہلو کی طرف غور کیا ہے۔ اس کا قدرتی لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ان بڑی صنعتوں میں جو لوگ کام کر رہے ہیں ان کی ایک بڑی تعداد بیروزگار ہو جائے گی اور ان سے ملحقہ صنعتوں کو اپنی سرگرمیاں گھٹا دینی پڑیں گی۔ طویل المیعاد نقطۂ نظر سے بدیسی ممالک سے ایسی اشیاء کی درآمد ہمارے وطنی بازاروں میں ہندوستانی صنعتوں کی پوزیشن کے لئے بالواسطہ طور پر مضرت رساں ہے اور بدیسی صنعتوں کی ایک طرح سے ہمت افزائی ہے۔

اختتام جنگ پر اندیشہ ہے کہ بڑے پیمانہ پر بیروزگاری شروع ہو جائے گی۔ اور بدیسی اشیاء کی درآمد اس خطرہ کو اور شدید کر دے گی۔ اس اجلاس میں ایک قرارداد منظور کی گئی جس میں حکومت ہند کی اس پالیسی کی مذمت کی گئی کہ بدیسی ممالک سے اشیائے صرف درآمد کی جا رہی ہیں درآمد شدہ اشیاء سے ہندوستانی صنعتوں کو مسابقت کرنا پڑ رہا ہے اور چونکہ حکومت ضروری مشینری اور پلانٹ درآمد نہیں کر رہی ہے اس سے ہندوستانی صنعتوں کی پیداوار پر مضر اثر پڑ رہا ہے۔

ایک طرف تو ہماری صنعتیں بدیسی اشیاء درآمد کرنے کی غیر دانشمندانہ پالیسی کی وجہ سے متاثر ہو رہی ہیں اور دوسری طرف ہماری برآمدات پر جو جنگ کی وجہ سے پہلے ہی سے متاثر ہیں جنگ کے بعد کافی مضرت رساں اثر پڑے گا۔ اس خصوص میں وفاقی ایوان ہائے تجارت نے ایک قرارداد منظور کی ہے جس میں مطالبہ کیا گیا ہے کہ حکومت ہند کارخانہ داروں کے مشورہ سے ایسے تدابیر اختیار کرے جن سے وہ مضر اثرات زائل ہو سکیں جو بیرونی بازاروں پر ممالک غیر کے تسلط سے پیدا ہو گئے ہیں اور ہندوستان کی پیداوار خام مثلاً جوٹ، کپاس، ابرق وغیرہ کے لئے بیرونی بازاروں میں بہتر موقف پیدا کرے۔ حکومت کی پالیسی پر نظر ثانی کے لئے اس میں جو اپیل کی گئی ہے اس سے کسی ہندوستانی کو اختلاف نہیں ہو سکتا۔ لیکن حکومت ہند حکومت برطانیہ کا ایک ماتحت محکمہ ہے جو زیادہ تر اپنے مفاد پر نظر رکھتا ہے اور ان واجبات کی تکمیل کرتا ہے جو امریکہ جیسے ملک کی جانب سے اس پر عائد ہوتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ برطانیہ پر ہندوستان کی جانب سے معاشی اور اخلاقی واجبات عائد ہیں لیکن ہم جانتے ہیں کہ مطالبات اسٹرلنگ جو کہ برطانیہ سے واجب الوصول ہیں ان کا پوزیشن کتنا نازک ہو گیا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ معاشی پالیسی کا تعین سیاسی اقتدار کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔ اور ہندوستان کا سیاسی موقف اتنا تشفی بخش نہیں۔ وفاقی ایوان تجارت اس امر کا اظہار کرنے میں حق بجانب ہے کہ سیاسی تعطل کو دور کرنے کے لئے حکومت برطانیہ اور حکومت ہند رائے عامہ کو پیش نظر رکھتی رہی ہے۔ سیاسی تعطل کا برقرار رہنا نہ صرف ہندوستان کے معاشی و سیاسی استحکام کے منافی ہے بلکہ جنگ کے جلد سے جلد کامیاب اختتام پر اثر انداز ہوتا ہے۔

وفاقی ایوان تجارت نے ایک قرارداد کے ذریعہ حکومت سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ مندرجہ ذیل امور کے متعلق اپنی پالیسی کا اعلان کرے۔ (۱) آئندہ صنعتوں میں حکومت کا کیا حصہ ہوگا۔ (۲) موجودہ ہندوستانی صنعتوں اور

بقیہ سلسلہ صفحہ (۱۰)

مملکت ہفتہ وار

جلد ۴	۱۳ اردی بہشت ۱۳۵۴ف	نمبر ۴۹

یالٹا کانفرنس کے فیصلے اور اس کے مضمرات

اکابر ثلاثہ نے یالٹا کانفرنس میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ جرمنی عسکریت اور نازیت کا قلع قمع کر دیا جائے۔ اور جرمنی کو اس قابل نہ رکھا جائے کہ وہ دنیا کے امن و امان میں پھر کبھی انتشار پیدا کر سکے۔ جرمنی کے باشندوں سے کہا گیا ہے کہ اب ان کی مزاحمت بے سود ہے۔ اتحادی اقوام جرمن باشندوں کو تباہ کرنا نہیں چاہتے۔ نازیت کے خاتمہ کے بعد جرمن قوم ایک شائستہ زندگی کی توقع کر سکتی اور اقوام عالم کی صف میں ایک باعزت جگہ حاصل کر سکتی ہے۔

اقوام متحدہ نے اپنے اس اعلامیہ میں جو یالٹا سے جاری کیا گیا ہے اس امر کی تفصیل کے ساتھ وضاحت کی ہے کہ نازیت اور عسکریت کی کس طرح بیخ کنی کی جائے گی۔ جرمنی پر سویٹ روس، برطانیہ اور امریکہ کا قبضہ ہوگا۔ اس کا نظم و نسق ایک ایسے کمیشن کے تحت کیا جائے گا جو اقوام متحدہ کے فوجی سپہ سالاروں پر مشتمل ہوگا۔ جرمنی کی مسلح فوجیں منتشر اور ختم کر دی جائیں گی۔ ایسی جرمن مشینیں جو فوراً جنگ کے کام آسکتی ہیں یا تو ضبط کر دی جائیں گی یا اقوام متحدہ کی نگرانی میں رکھی جائیں گی۔ جنگی مجرموں کو سزا دی جائے گی۔ نازیوں نے جو تباہی پھیلائی ہے اس کا تاوان اشیاء کی صورت میں وصول کیا جائے گا۔ نازی پارٹی، اس کے قوانین اور تنظیمات کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے گا۔

اس کانفرنس میں اکابر ثلاثہ نے آزاد یورپ کے مستقبل کی نسبت حسب ذیل اصول طے کئے ہیں:

(۱) تمام اقوام کو یہ حق ہوگا کہ وہ جس قسم کی حکومت چاہیں بنائیں۔ اتحادی قوتیں جن ملکوں کو آزاد کریں گی وہاں وہ ایسی عارضی حکومت بنائیں گی جس میں اس ملک کی تمام جمہوری جماعتیں شریک ہوں گی اور جلد سے جلد وہ نئے انتخابات کا انتظام کریں گی۔

(۲) مابعد جنگ کے ابتدائی ایام میں جبکہ آزاد شدہ ملکوں کی معاشی حالت اچھی نہ ہوگی اتحادی حکومتیں ان ممالک کی مدد کریں گی تاکہ وہ جمہوری طریقے پر اپنے سیاسی و معاشی مسائل حل کر سکیں۔

(۳) آزاد شدہ علاقوں کی از سر نو معاشی تنظیم میں اس بات کا خیال رکھا جائے گا کہ ملک کے ان عناصر کو جنھوں نے نازیوں سے اتحاد قائم کیا تھا یعنی بڑے بڑے سرمایہ دار وغیرہ تمام حقوق سے محروم کر دیا جائے۔

یالٹا کانفرنس کے ان فیصلوں سے ایک نتیجہ یہ مترشح ہوتا ہے کہ امریکہ، برطانیہ اور سویٹ روس نے یہ تہیہ کر لیا ہے کہ دنیا کی تنظیم جدید اور قیام امن کے لئے یہ دول ثلاثہ آپس میں متحد رہیں گے اور اس غرض کے لئے وہ اقوام متحدہ کے دوسرے ارکان سے اتحاد قائم کریں گے۔

ان فیصلوں سے متعلق مسٹر چرچل اور پریسیڈنٹ روزولٹ نے اپنے اپنے ملک کی تائید حاصل کی۔ اس اثنا میں دوسرے ممالک جو غیر جانبدار تھے اقوام متحدہ کی صف میں شامل ہو گئے۔ ترکی، ایران، مصر، سعودی عرب وغیرہ نے جرمنی اور جاپان کے خلاف اعلان جنگ کر کے سان فرانسسکو کانفرنس میں اپنی نشستیں محفوظ کر لیں۔ اس طرح دول محور کو اقوام عالم کی صف سے نکال باہر کیا گیا۔ انھیں متمدن اقوام کے دائرہ میں داخل ہونے کے لئے اپنی جنگجویانہ ذہنیت ترک کرنی پڑے گی۔

سوال یہ ہے کہ ان حالات اور اقوام کو اس سرکشی کی ذہنیت ترک کرنے کے لئے کتنا عرصہ درکار ہوگا! ہر جنگ کے بعد ان لوگوں نے جنھیں اقوام عالم کے مابین ہم آہنگی پیدا کرنے کا موقع اور اقتدار حاصل رہا ہے یہ سمجھتے رہے ہیں کہ جو فیصلے وہ کر رہے ہیں اور جو نمونہ وہ بنا رہے ہیں وہ ایک دیرپا امن کے ضامن ہیں۔ جن [illegible] نے معاہدہ ورسائی کی بنیاد رکھی گئی تھی ——— پریسیڈنٹ ولسن، لائڈ جارج اور کلیمنسو ——— انھیں یہ غلطی نہیں [illegible] تھا کہ جرمنی کو ہمیشہ کے لئے مفلوج کر دیا گیا اور دنیا میں ایک دائمی امن کا دور شروع ہو گیا ہے۔ [illegible] کا دعوی تھا کہ گزشتہ جنگ عظیم ہر قسم کی جنگ کے خاتمہ کے لئے لڑی گئی۔ ۱۹۱۸ء کی جنگ کے بعد جرمنی میں ایک جمہوری طرز کی حکومت قائم کر دی گئی لیکن قیام امن کے یہ سارے انتظامات ربع صدی کے اندر درہم برہم ہو گئے اور نازیت نے دنیا کے لئے ایک ایسا خطرہ پیدا کر دیا جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس خطرہ کو ختم کرنے کے لئے گزشتہ پانچ سال سے خون کی ندیاں بہہ رہی ہیں۔ اور اب بھی جبکہ نازیت لب گور ہے اپنی پوری قوت سے مقابلہ کر رہی ہے۔ ان حالات میں اکابر ثلاثہ کے لئے یہ ناگزیر تھا کہ [illegible] سے واقعی سبق حاصل کریں۔ وہ صرف جنگ جیتنے [illegible] بلکہ وہ امن بھی جیتنے کے لئے مستعد ہیں۔ اور جیسا کہ پریسیڈنٹ روزولٹ نے امریکی کانگریس کے اجلاس میں اپنی رپورٹ پیش کرتے ہوئے کہا ہے:

"اس دفعہ وہ جنگ ختم ہونے تک انتظار کرنے کی غلطی نہیں کریں گے بلکہ قیام امن کے لئے ابھی سے ایک مشینری تیار کر لی جائے گی۔ اس کا ایک عارضی خاکہ یالٹا کانفرنس میں مرتب کر لیا گیا ہے۔ یہ خاکہ سان فرانسسکو کانفرنس میں جو اپریل کے آخری ہفتہ میں منعقد ہوگی اقوام متحدہ کے پورے اجتماع کے آگے توثیق کے لئے پیش کیا جائے گا۔"

اب دیکھنا یہ ہے کہ یالٹا کے فیصلوں کی تائید سان فرانسسکو میں کس حد تک ہوتی ہے۔ اس امر کی نسبت ابھی کچھ کہنا قبل از وقت ہے کہ سان فرانسسکو کانفرنس میں جو دیگر قومیں شریک ہوں گی وہ اکابر ثلاثہ کے مرتب کردہ خاکہ کے اصولوں یا تفصیلات میں کیا تبدیلیاں کرنا چاہیں گی۔ اس کا انحصار زیادہ تر اس امر پر ہے کہ اس کانفرنس میں ووٹ دینے کا طریقہ کیا ہوگا۔

اکابر ثلاثہ کے باہمی تعلقات کا مسئلہ بھی بہت نازک ہے۔ اس سے زیادہ نازک مسئلہ اکابر ثلاثہ اور دیگر اقوام کے باہمی تعلقات کا ہے کیونکہ مختلف مفادات اور نقطہ نظر میں ہم آہنگی پیدا کرنا دراصل وقت طلب ہے۔ مسٹر چرچل اس صورت حال کو اچھی طرح محسوس کرتے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے کہا ہے کہ دول عظمی کو چاہئے کہ فیصلہ نہیں [illegible] گزاری کو اپنا اصول رہنما بنائیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس اصول پر عمل کس حد تک کیا جائے گا! مسٹر چرچل کے الفاظ یہ ہیں:

"امن و امان کو قائم رکھنے کی ذمہ داری دول عظمی پر عائد ہوگی۔ اور جو بین الممالک ادارہ قائم کیا جائے گا اس کی تشکیل ایسی ہونی چاہئے کہ ان کے ارتکاب [illegible] مؤثر طور پر [illegible] کے ساتھ ساتھ اس عالمی ادارہ کو

وول عملی کی آمریت پر بھی نہ ہونا چاہئے۔ ہمیں یقین ہے کہ ووٹ دینے کا جو طریقہ طے کیا گیا ہے اس سے ان دونوں اہم امور کی تکمیل ہوگی۔"

ووٹ دینے کا طریقہ اب تک راز میں رکھا گیا ہے۔ پریسیڈنٹ روزویلٹ نے اس واقعہ کا اظہار کیا کہ یالٹا کانفرنس میں کوئی خفیہ سمجھوتہ ہوا ہے۔ موجودہ دنیا بڑی طاقتوں کے مابین خفیہ معاہدوں کے طریقہ کو پسند نہیں کرتی۔ ایسے اختلافات اور انتشار کی بنیاد ہوتی ہے۔ پریسیڈنٹ روزویلٹ نے بتلایا کہ یہ خفیہ سمجھوتہ بروقت منظر عام پر آجائے گا۔ سیاسی حلقوں کا خیال ہے کہ سمجھوتہ جاپان کے خلاف سوویٹ کی جنگ میں شریک کرنے سے متعلق ہے۔ شاید یہ سمجھوتہ اس وقت تک راز میں رہے گا جب تک کہ سوویٹ روس جاپان سے اپنے تعلقات کے انقطاع کا اعلان نہ کرے۔

... کا ایک اور فیصلہ جس پر سان فرانسسکو کانفرنس میں بہت کچھ بحث ہوگی پولینڈ سے متعلق ہے۔ امریکہ میں اس مسئلہ پر ابھی سے کافی کشیدگی ہو رہی ہے۔ پولینڈ کے مسئلہ میں چرچل اور روزویلٹ نے مارشل اسٹالن کی پوری تائید کی ہے۔ مسٹر چرچل نے پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

"میں اس خیال کی پرزور تردید کرتا ہوں کہ کرزن لائن سے متعلق روس کے مطالبہ کی تائید کرنے میں ہم کوئی قابل اعتراض سمجھوتہ کر رہے ہیں یا قوت یا خوف سے دب رہے ہیں۔ اس ایوان میں میں نے شاید ہی کوئی ایسا مسئلہ پیش کیا ہے جس پر غور کرنے کے لئے میں تمام جماعتوں کے ذہنوں کو اعتماد کے ساتھ دعوت دے سکتا تھا۔"

پریسیڈنٹ روزویلٹ کی بھی یہ رائے ہے کہ پولینڈ سے متعلق جو سمجھوتہ ہوا ہے وہ موجودہ حالات میں نہایت مفید اور پولینڈ کی خوش حالی کا ضامن ہے۔ بہرحال ایسے مسائل ہیں کہ اگر سان فرانسسکو میں ان کو خوش اسلوبی کے ساتھ طے نہیں کیا گیا تو ایک نازک صورت حال پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ یہاں ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ نظام نو جس کی داغ بیل سان فرانسسکو میں ڈالی جائے گی ہندوستان اور اسلامی ممالک کا کیا مقام ہوگا؟ جب تک ایشیائی ممالک کی آزادی کو نظر انداز کر دیا جائے امن کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے؟ دیکھنا یہ ہے کہ بڑی طاقتیں ان مسائل کو کس طرح حل کرتے ہیں۔ جیسا کہ مسٹر گرین وڈ نے لندن کی ایک صحافتی کانفرنس ...

حیدرآباد کی دفاعی کونسل کا اجلاس

پریس نوٹ

حیدرآباد کی دفاعی کونسل کا پندرھواں اجلاس ۲۲ فروری سنہ ۱۹۴۵ء کو بوقت ۴ بجے ساعت شام شاہ منزل میں منعقد ہوا جس کی صدارت عالی جناب نواب صدر اعظم بہادر نے فرمائی۔ اس اجلاس میں محکمہ جات مالگزاری فینانس اور عدالت کے صدر المہامین بھی شریک تھے۔

صدر اعظم بہادر نے اپنی افتتاحی تقریر میں جنگ کی عام صورت حال اور اغذیہ و تنظیم مابعد جنگ کے مسائل پر تبصرہ فرمایا۔

اس کے بعد نواب محمود یار جنگ بہادر معتمد محکمہ تنظیم مابعد جنگ نے ایک یادداشت پیش کی جس میں انہوں نے اپنے محکمہ کی سرگرمیوں پر تبصرہ کیا تھا۔ اور ان زیر غور اسکیموں کی تفصیلات بتلائی تھیں۔ جو آب پاشی، برقابی کی ترقی اور کیمیاوی اشیاء اور کھاد وغیرہ کی تیاری سے متعلق ہیں۔ اس کے علاوہ موصوف نے فنی تعلیم کی ترقی پر بھی روشنی ڈالی۔

مولوی فضل اللہ صاحب صدر ناظم و معتمد محکمہ رسد نے دفاعی کونسل کے پچھلے اجلاس کے بعد سے اب تک کی غذائی صورت حال پر ایک بیان دیا اور اعداد و شمار سے یہ بتلایا کہ بہ حیثیت مجموعی حالات اب بہت بہتر ہو گئے ہیں لیکن اس سے یہ مطلب نہیں کہ بالکل بے فکری ہو جائے کیونکہ ملک کے بعض حصے اب بھی ان علاقوں کی امداد کے محتاج ہیں جہاں اشیاء خوردنی کی مقدار ضروریات سے زیادہ ہے۔ فضل اللہ صاحب نے زرعی پیداوار کی خرید و فروخت اور تقسیم کو امداد باہمی کے اصول پر منظم کرنے کی اہمیت پر بھی زور دیا۔ کونسل کے اراکین نے اغذیہ کے مسئلہ سے بہت گہری دلچسپی کا اظہار کیا اور اس موضوع پر مباحثہ کے دوران میں فضل اللہ صاحب نے یہ ظاہر فرمایا کہ اس بارے میں حکومت کی پالیسی کو واضح کرنے کے لئے عنقریب ایک صحافتی کانفرنس طلب کی جائے گی۔

کرنل سلامت نے ریل و رسائل اور نقل و حمل سے متعلق ایک بیان میں ان مسائل کا ذکر کیا جو ایام جنگ میں ریلوے کے لئے باعث اقتدار کو درپیش ہیں اور وہ تدابیر بھی بیان کیں جو ان مسائل کو حل کرنے کے لئے اختیار کی گئیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے ریل و رسائل اور نقل و حمل کی مابعد جنگ ترقی کے منصوبوں کا بھی مختصراً ذکر فرمایا۔

معتمد صاحب سیاسیات نے یہ اعلان فرمایا کہ یکشنبہ ۲۵ فروری سنہ ۱۹۴۵ء کو صبح ۹ بجے دفاعی کونسل کے اراکین کو حیدرآباد اور مضافات میں واقع فوجی اداروں وغیرہ کا معائنہ کرانے کا انتظام کیا گیا ہے۔

وسط برما میں جاپانی مستقر پر قبضہ

صدر دفتر ایشیائی کمان ۱۲ مارچ۔ وسط برما میں اتحادیوں نے مانڈلے سے ۸۵ میل مشرق میں میمیو پر جو اس منطقہ میں جاپانیوں کا مستقر تھا قبضہ کر لیا ہے۔ میمیو لاشیو سے مانڈلے تک جانے والی سڑک اور ریل پر واقع ہے۔ اسے ۱۹ ویں ہندوستانی ڈویژن کی ایک خصوصی جماعت نے فتح کیا۔ اس طرح مانڈلے میں مقابلہ کرنے والے جاپانیوں کے بازو سے گھر جانے کا ایک نیا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ مانڈلے میں اسی ڈویژن کے آدمی گلی کوچہ میں زور کی لڑائی لڑ رہے ہیں۔ مشرقی کمان کے طیاروں نے قلعہ ڈفرن پر زبردست حملے کئے۔ اس قلعہ کے اندر کی جاپانی سپاہ اتحادی توپوں کے جواب میں آتشباری کر رہی ہے۔ دشمن کی اس آتشباری کے باوجود قلعہ کے شمال پہاڑ کے پر اتحادی سپاہ اپنا سامنے والا حملہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اس کے دوسرے دستے ارادہ کی طرف مغربی پہاڑک کی سمت جا رہے ہیں۔

ایک جنگی نامہ نگار کا بیان ہے کہ برما میں جاپانی قیدی اب پہلی بار یہ تسلیم کر رہے ہیں کہ وہ لڑائی ہار گئے ہیں۔ وہ بالکل دل شکستہ ہو رہے ہیں۔ اور یہ ظاہر ان کو اب وطن میں اپنے حکمرانوں اور میدان میں اپنے کمانڈروں کی اس اہلیت پر کوئی بھروسہ نہیں رہ گیا ہے کہ وہ ۱۴ ویں فوج کے دستوں کی مسلسل پیشقدمی کے خلاف کوئی جوابی حملے کر سکیں گے۔

میمیو فتح ہو جانے سے جاپان کی شمالی برما والی فوج مانڈلے کے منطقہ میں پھنسی ہوئی سپاہ سے منقطع ہو گئی ہے۔ اب مستقبل قریب میں جس لڑائی کی توقع ہے اگر اس میں کامیابی ہو گئی تو ممکن ہے کہ برما کی پوری جنگ کافی مختصر ہو جائے۔

(رائٹر)

تحفظ امن عالم کے لئے ایک جدید ادارہ کی تشکیل

اکابر ثلاثہ قیام امن کے ذمہ دار ہو گئے

گزشتہ اگست اور ستمبر میں امریکہ میں ڈمبرٹن اوکس کے مقام پر ایک کانفرنس ہوئی جس میں امریکہ سوویٹ یونین اور انگلستان کے نمائندے شریک تھے۔ انہوں نے متفقہ طور پر چند تجویزیں مرتب کی تھیں جن کا مقصد یہ تھا کہ اس جنگ کے بعد دنیا میں امن قائم رکھنے کے لئے ایک نئے ادارے کی تشکیل کی جائے۔ اس وقت ان تینوں ملکوں کے نمائندے میں صرف ایک بات پر اختلاف تھا کہ اس ادارے میں ووٹ کا طریقہ کیا ہوگا یعنی کسی امر کی منظوری کے لئے تمام ملکوں کا اتفاق ضروری ہے یا محض کثرت رائے کافی ہے۔ یالٹا میں تین بڑوں نے اس مسئلہ کو بھی حل کر لیا ہے۔ چنانچہ یالٹا کے فیصلہ کے مطابق ۲۵ ر اپریل ۱۹۴۵ء کو سان فرانسسکو (امریکہ) میں اتحادی اقوام کی ایک کانفرنس منعقد ہونے والی ہے جس میں دنیا میں امن و امان قائم رکھنے کے لئے ایک نئے ادارے کا قیام عمل میں آئے گا۔

لوگوں میں اس ادارے کے متعلق طرح طرح کے شکوک اور شبہے پائے جاتے ہیں۔ اکثر اخبارات نے ظاہر کیا ہے کہ یہ نیا ادارہ دراصل اکابر ثلاثہ یعنی برطانیہ سوویٹ یونین اور امریکہ کے ہاتھ میں ایک ہتھیار ہوگا جس کی مدد سے وہ دوسری چھوٹی قوموں کو اپنی ہوس ملک گیری اور ظلم و ستم کا شکار بنائے گی۔ پھر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ ادارہ انجمن اقوام سے کسی طرح مختلف نہ ہوگا۔ اور اس کا بھی بالآخر وہی حشر ہوگا جو انجمن اقوام (لیگ آف نیشن) کا ہوا۔ ہمیں سب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ کوئی تجویز یا کوئی ادارہ بجائے خود دنیا میں امن قائم رکھنے کی ضمانت نہیں ہو سکتا۔ دنیا میں امن و امان کا انحصار تمام جمہوری ملکوں کے باہمی تعاون پر ہے اور ان ملکوں میں سوویٹ یونین، امریکہ، برطانیہ، چین اور فرانس سب سے زیادہ اہم ہیں۔ ڈمبرٹن اوکس کانفرنس کی مرتب کی ہوئی تجویز کا مقصد صرف یہ ہے کہ ایک ایسا ادارہ بنایا جائے جس کے ذریعہ سے ان قوموں کا تعاون اور دنیا میں امن قائم رہ سکے۔

بظاہر ڈمبرٹن اوکس کانفرنس کی تجویز میں اور گزشتہ انجمن اقوام میں کئی چھوٹی موٹی باتوں میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ مثلاً انجمن اقوام نے بھی زبانی اس امر کا اقرار کیا تھا کہ حملہ آور قوموں کے مقابلے میں امن پسند قوموں کی اجتماعی حفاظت کے لئے [illegible] ڈمبرٹن اوکس کانفرنس نے بھی اس اصول کو تسلیم کیا ہے کیونکہ اس کے علاوہ دنیا میں امن و امان قائم رکھنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے۔ وہ یہ کہ دنیا کی تمام ریاستیں ایک وفاقی نظام میں منسلک ہو جائیں۔ اور تمام قومیں اس وفاق کی اطاعت کریں۔ لیکن آج مختلف ملکوں کے سماجی، معاشی اور سیاسی نظام میں اتنے اختلافات پائے جاتے ہیں کہ اس طرح کا کوئی وفاق قائم کرنا ممکن نہیں۔ اس کے بعد صرف وہی اجتماعی حفاظت کا طریقہ باقی رہ جاتا ہے۔ چنانچہ ڈمبرٹن تجویز اور انجمن اقوام میں کوئی اور یکسانیت یا مماثلت نہیں۔ ان میں فرق بہت زیادہ ہیں اور یہی فرق ڈمبرٹن تجویز کی جان ہیں۔ ان ہی سے اس بات کی ضمانت ہوتی ہے کہ انجمن اقوام کے مقابلہ میں ڈمبرٹن کی تجویز ضرور کامیاب ہوگی۔

انجمن اقوام نے اجتماعی حفاظت کے اصول کو زبان سے تو مان لیا تھا۔ مگر اس کو عملی جامہ پہنانے کا کبھی ارادہ نہیں کیا۔ انجمن اقوام کی ساخت میں شروع ہی سے "مضمر تھی ایک صورت خرابی کی"۔ اس کی تنظیم میں بڑی خامیاں تھیں۔ اس پر چیمبرلین اور دلاڈئیے جیسے رجعت پسندوں کا غلبہ تھا جو سرے سے اقوام کے جمہوری تعاون کے قائل ہی نہ تھے۔ انجمن اقوام کی غلطی یہ نہیں تھی کہ اس نے اجتماعی حفاظت کے اصول کو تسلیم کیا۔ غلطی یہ تھی کہ اس نے اس اصول کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کبھی نہیں کی۔ جن رجعت پسند گروہوں کا اس پر غلبہ تھا انہوں نے فسطائیت کی ترقی میں مدد کی اس طرح انجمن کا اصل مقصد ہی فوت ہو گیا اور موجودہ جنگ کے لئے زمین تیار ہو گئی۔

ڈمبرٹن اوکس کانفرنس کی تجویز میں اس خرابی کو دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ مسئلہ صرف ایک ادارہ قائم کرنے سے حل نہیں ہو سکتا۔ اس کا بنیادی حل سیاسی ہے یعنی یہ کہ اس فاشسٹ دشمن جنگ کے دوران میں اتحادی اقوام میں جو دوستانہ تعلقات قائم ہوئے ہیں وہ اس جنگ کے بعد بھی برقرار رہیں اور اتحادی اقوام کی رہنمائی جن ملکوں کے ہاتھ میں ہے وہ یعنی سوویٹ یونین، امریکہ، اور برطانیہ جنگ کے بعد بھی اپنے تعاون کو قائم رکھیں۔ ڈمبرٹن اوکس کی تجویز کے ذریعہ اسی اتحاد و تعاون کو جس کی بنیاد اس جنگ میں پڑ چکی ہے مستقل اور پائیدار بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور اسی نے امن عالم کے لئے جو نیا ادارہ قائم کیا جا رہا ہے اس کا نام ہے "متحدہ اقوام"۔ ڈمبرٹن اوکس کی تجویز اور انجمن اقوام (لیگ آف نیشن) میں ایک بنیادی فرق ہے۔

کوئی ادارہ امن قائم رکھنے میں اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس میں دنیا کی تمام بڑی بڑی جمہوری طاقتیں شامل نہ ہوں۔ اگر یہ نہ ہو تو اجتماعی حفاظت کے اصول پر عمل نہیں کیا جا سکیگا۔ کیونکہ تمام بڑی بڑی طاقتوں کے تعاون کے بغیر ان میں اتنی طاقت نہ ہوگی کہ حملہ آوروں سے اپنی حفاظت کر سکیں۔

انجمن اقوام میں دنیا کی تمام بڑی طاقتیں کبھی شامل نہیں تھیں۔ امریکہ نے شروع ہی سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی۔ سوویٹ یونین کو ابتدا میں شرکت کا موقع ہی نہیں دیا گیا۔ اس طرح دنیا کے دو سب سے طاقتور ملک اس انجمن سے باہر تھے۔ پھر اس انجمن میں طاقت کہاں سے آتی کہ وہ فسطائی قوموں کو حملہ کرنے سے روک سکے۔ اس انجمن پر انگریز اور فرانسیسی حاوی تھے۔ اس کے برعکس "متحدہ اقوام" میں دنیا کی تمام بڑی بڑی طاقتیں شامل ہیں۔ اگر برطانیہ، امریکہ اور سوویٹ یونین کا تعاون قائم رہا تو یہ اس بات کی کافی ضمانت ہے کہ دنیا میں امن قائم رہے گا۔ اور کسی سامراجی یا فسطائی طاقت کو ہمت نہیں ہوگی کہ وہ کمزور قوموں پر حملہ کر سکے۔ متحدہ اقوام میں چین کی شرکت سے اس ادارے کی عالمگیر حیثیت اور واضح ہو جاتی ہے۔ اور یہ اس بات کی ضمانت ہے کہ ایشیا کی قوموں کا مفاد بھی نظرانداز نہیں کیا جائیگا۔

انجمن اقوام اور ڈمبرٹن تجویز میں ایک فرق اور بھی ہے۔ انجمن اقوام دراصل ایک انقلاب دشمن اور جمہوریت دشمن ادارہ تھا جس کا مقصد ہر ملک میں اقوام کے جمہوری اتفاق کو کچلنا اور سوویٹ یونین کے خلاف سامراجی ریاستوں کا محاذ قائم کرنا تھا۔ انجمن اقوام کی یہ انقلاب دشمنی شروع ہی سے بہت نمایاں تھی۔ ۱۹۳۴ء میں سوویٹ یونین کو اس انجمن میں شرکت کا موقع دیا گیا۔ مگر جب جنگ چھڑی تو فوراً حمایت کو بہانہ بنا کر کسی کے لئے کھلا نہ تھا۔ انجمن اقوام پیدا ہوئی تھی سوویٹ یونین اور جمہوری انقلاب کی مخالفت کے لئے۔ چنانچہ اس نے جان بھی دی تو اسی انقلاب دشمنی پر قائم رہتے ہوئے۔ انجمن اقوام کا آخری عمل یہ تھا کہ اس نے فن لینڈ کے نازی حکمرانوں کی حمایت کرتے ہوئے سوویٹ یونین کو اپنی رکنیت سے خارج کر دیا۔

اس کے برخلاف "متحدہ اقوام" کا سنگ بنیاد سوویٹ یونین اور مغرب کی جمہوری ریاستوں کا تعاون ہے۔ دنیا کی جمہوری تحریک آج ایک جمہوری دور سے گزر رہی ہے جس میں اقتدار حکومت سرمایہ داروں اور سامراجیوں کے ہاتھ سے نکل کر رفتہ رفتہ ہر ملک کے عام لوگوں کے ہاتھ میں منتقل ہوتا جا رہا ہے۔ اس کا اثر "متحدہ اقوام" کی بنیاد پر بھی ہے۔ "متحدہ اقوام" کے بانیوں میں برطانیہ اور امریکہ کے ساتھ ہی مزدوروں کی سامراج دشمن جمہوری تحریک [illegible]

سیاسی تعطل کو حل کرنے کے لئے

سر محمد ظفر اللہ خان کی ایک تجویز

سر محمد ظفر اللہ خان کا ایک مضمون اسپکٹیٹر میں شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے اپنے اس خیال کی وضاحت کی ہے کہ حکومت برطانیہ کو یہ اعلان کر دینا چاہئے کہ جاپان کے خلاف جنگ کے اختتام کے ایک سال کے اندر اگر ہندوستان کی جانب سے کوئی متفقہ فارمولا پیش کیا جائے تو حکومت اس کو روبعمل لانے کے لئے تیار ہے۔ لیکن اگر اس مدت کے اندر ایسا کوئی سمجھوتہ نہ ہو سکے تو خود حکومت برطانیہ ہندوستان کے آئندہ دستور سے متعلق اپنی تجاویز پارلیمنٹ کے سامنے پیش کر دے گی۔ یہ ایسی تجاویز ہوں گی جن سے ہندوستان کو نوآبادیات کے مساوی حیثیت حاصل ہو جائے گی۔

ایک اعتراض کا جواب

سر محمد ظفر اللہ خان نے یہ بیان کرنے کے بعد کہ ہندوستان کے سیاسی تعطل کی ذمہ داری سے حکومت برطانیہ بری نہیں ہو سکتی یہ تحریر کیا ہے کہ:-

یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ ایک سال کی مدت جس کے اندر ہندوستانی جماعتوں کو ایک متفقہ فیصلہ پر پہنچنا ضروری قرار دیا گیا ہے بہت کم ہے۔ اس اعتراض میں اس واقعہ کو نظرانداز کر دیا گیا ہے کہ یہ مدت جاپان کے خلاف جنگ کے اختتام سے شروع ہوتی ہے۔ اگر اس قسم کا اعلان جس کا میں نے مشورہ دیا ہے اس وقت کیا جائے تو ہندوستانی جماعتوں کو متفقہ فیصلہ پر پہنچنے کے لئے دو سال کی مدت مل جاتی ہے۔ بہرحال مدت کا سوال زیادہ اہم نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ مدت معین اور زیادہ طویل نہ ہو۔ ایسی مدت جو دسمبر ۱۹۴۶ء پر ختم ہوتی ہو اس غرض کے لئے کافی ہے۔

سر ظفر اللہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ جب ہندوستان کو ایک بار نوآبادیات کا درجہ دے دیا جائے تو اس کو یہ حق ہونا چاہئے کہ وہ اپنے دستور کو اس ضابطہ کے مطابق ترمیم کر سکے جو خود دستور میں مقرر ہو۔ اس ضابطہ کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ دستور میں ایسی صورت میں ترمیم ہونی چاہئے جبکہ تمام جماعتیں اور متعلقہ مفادات اس پر راضی ہوں۔ واقعات کی نوعیت پہلے ہی کی جا چکی ہے اور قانون حکومت ہند بابت ۱۹۳۵ء کی تشکیل [illegible] حد تک درست ہو چکی ہے۔ جدید دستور کی تشکیل میں ان چیزوں سے مدد لی جا سکتی ہے۔

جو ہر کسی بھی مصروف کار ہے اور اس کی رپورٹ سے ہندوستان کی سیاسی جماعتوں کے نقطۂ نظر کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

ریاست ہائے ہند

سر محمد ظفر اللہ کہتے ہیں کہ جدید دستور کو [illegible] ہندوستانی ریاستوں کے لئے کھلا رکھنا چاہئے تاکہ اگر وہ چاہیں تو اس میں شریک ہو سکیں۔ لیکن دستور کو روبعمل لانے کے لئے یہ شرط عائد نہ کی جانی چاہئے کہ ریاستوں کی شرکت اور رضامندی ضروری ہوگی۔

اس کے علاوہ مذہب، تہذیب، تعلیم اور زبان سے متعلق اقلیتوں کے لئے تحفظات ایسے ہونے چاہئیں جو عدالتوں میں قابل سماعت ہوں۔ چنانچہ اگر ان تحفظات کی خلاف ورزی ہو تو عدالتوں میں دادرسی ہو سکے۔ جدید دستور میں گورنروں اور گورنر جنرل کی خصوصی ذمہ داریوں کے لئے کوئی جگہ نہ ہونی چاہئے۔

آگے چل کر سر ظفر اللہ خان لکھتے ہیں کہ:-

یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ کیا ایسا دستور جس کو پارلیمنٹ نے مرتب کیا ہو اور جس کی تشکیل میں ہندوستان کی اہم جماعتیں شریک نہ ہوں کامیابی سے چل سکے گا؟ اس قسم کے دستور سے پوری طرح تشفی نہ ہو سکے گی کیونکہ ہر جماعت کے مطالبات کو کسی قابل عمل دستوری نمونہ کی شکل دینے کے لئے کافی کانٹ چھانٹ کرنی ہوگی۔ مگر چونکہ دستور کے مطابق ترمیم کا اختیار اس مقننہ کو حاصل ہوگا جس کے تحت وہ وجود میں آئے گا اس لئے سیاسی جماعتوں کو دستور چلانے کی ترغیب ہوگی کیونکہ انہیں امید ہوگی کہ اپنے متفقہ فیصلہ کے مطابق آگے چل کر وہ دستور کی صورت کو بدل سکیں گی۔

تاہم ایک خطرہ ضرور ہے کہ بعض جماعتیں جدید دستور کو روبعمل لانے کے لئے راضی نہ ہوں گی۔ ان لوگوں کو جو دستور کی تشکیل میں مصروف ہیں اس خطرہ کو پیش نظر رکھنا چاہئے تاکہ دستور اس طریقے سے مرتب ہو سکے کہ اگر بعض جماعتیں اشتراک عمل بھی نہ کریں تو وہ روبعمل آ سکے۔

سر ظفر اللہ خان اس بات پر زور دیتے ہیں کہ ان کا منشا ایک ایسی مدت کا تعین کرانا ہے جس کے اندر ہندوستان کی جماعتیں باہم سمجھوتہ کر سکیں اور بصورت دیگر دستور مرتب کرنے کی ذمہ داری برطانیہ پر عائد ہو۔

آخر میں وہ کہتے ہیں کہ ہندوستان برطانیہ کے تدبر پر ایسے حقوق رکھتا ہے جن سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ہندوستان کے مسئلہ کے حل پر جن مسائل کا دارومدار ہے وہ امن اور تہذیب کے لئے اس سے کہیں زیادہ دور رس اور اہم ہیں جتنا کہ اس وقت محسوس کیا جا رہا ہے۔

پہلا قدم

"دی نیو سٹیٹس مین اینڈ نیشن" نے سر ظفر اللہ خان کی اس تجویز سے متعلق ایک ہندوستانی نامہ نگار کا ایک مضمون شائع کیا ہے جس میں وہ لکھتا ہے کہ اگر اس پروگرام کو موثر بنانا ہے تو جلد سے جلد ایک ایسا ابتدائی قدم اٹھانا پڑے گا جس سے ہندوستانی پبلک کی ذہنیت پر اعتماد پیدا ہو بلکہ انہیں یہ یقین بھی ہو جائے کہ برطانیہ فی الواقعی ہندوستان کے حق میں اقتدار سے دست بردار ہونے کو تیار ہے۔ سب سے پہلے ملازمتوں میں غیر ہندوستانیوں کو برخاست کیا جائے البتہ ان کی خدمات عارضی لی جا سکیں۔ ثانیاً امور خارجہ کے محکمہ کو ایک ہندوستانی ممبر کے تحت کر دیا جائے اور سفارتی خدمات پر ہندوستانیوں کو مامور کیا جائے۔ ثالثاً ہندوستانی صوبوں میں عوامی حکومتیں بحال کی جائیں۔ اگر اس قسم کا ایک پروگرام روبعمل لایا جائے تو وہ تجاویز کامیاب ہو سکتی ہیں جو سر ظفر اللہ خان نے پیش کی ہیں۔

ہندوستانی تعطل کے حل کی تجویز

مسٹر مقبول محمود کا مراسلہ

لندن ۱۲ مارچ۔ ایوان والیان ریاست کے مقتدر میر مقبول احمد نے یہ تجویز پیش کی کہ لارڈ ویول فوری ابتدائی گفت و شنید شروع کر دیں۔ اور کرپس کے اعلان میں معین کردہ طریقہ کار کا آغاز کر دیں۔

اخبار لندن "ٹائمز" کے نام ایک مراسلہ میں میر محمود مقبول لکھتے ہیں کہ لارڈ ویول کو یہ بیان کرنے کا مجاز گردانا جانا چاہئے کہ ہندوستان معین کردہ تاریخ تک متفقہ دستور تیار کرے۔ گفت و شنید کی ایک موزوں صورت یہ ہے کہ وزیر ہند اور دیگر پارلیمانی قائدین کے لئے ہندوستان کا دورہ کرنا اور اس کی مشکلات کا صحیح اندازہ لگانا ہے۔ آپ نے اس کی توضیح کی کہ [illegible] اور [illegible] دونوں کو ہندوستان کی دستوری ترقی سے متعلق ساری گفت و شنید میں شریک ہونا چاہئے۔ (رائٹر)

سیاسی نمک پارے

از

کشاف

بلا تنقید

برطانیہ یورپ کے سیاسی میدان سے زیادہ خود برطانوی جمہوریت پر تنقید مائل ہے۔ آج کل برطانوی پارلیمنٹ ہندوستان کی مرکزی اسمبلی سے زیادہ دلچسپ انجمن مباحثہ بنی ہوئی ہے۔ ہندوستانی اگرچہ کمزور ہیں مگر وہ بھی اکثر آزاد رائے اختیار کرتے ہیں اور حکومت کی تجاویز مسترد کر دیتے ہیں جس کی وجہ سے وزیری حکومت عوام کی مرضی کے خلاف مطلق العنانی اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے لیکن انگلستان میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص کسی چیز کے متعلق آزاد رائے نہیں رکھتا۔ برطانوی پارلیمنٹ وزیر اعظم کی تائید اور توصیف کے سوا کوئی اور کام انجام نہیں دے رہی ہے۔

(اوریئنٹ ڈیلی)

سیالکوٹ سندرا پرشد کی مجلس عاملہ نے ایک قرارداد میں یہ اعلان کیا ہے کہ:

"افلاس، جہالت اور سماجی چھوت چھات کے تلے دبے ہوئے ہریجنوں کے ساتھ مساویانہ اور مشفقانہ سلوک کیا جانا چاہئے...... تاوقتیکہ سیاسی آزادی حاصل نہ ہو سماج کے مختلف طبقات میں مساوات کا احساس نہیں پیدا ہو سکتا۔"

در دوئے بر گردن مو ذخین چھوت چھات کا رواج اور سماج کے مختلف طبقات میں احساس مساوات کا فقدان اس وقت بھی موجود تھا جبکہ ہندوستان کو کامل سیاسی آزادی حاصل تھی۔

ہمیں اندیشہ ہے کہ بلدیہ کی غلطیوں اور خرابیوں کے نتائج سے ابھی بہت وقت تک ارباب کار کو کشتی لڑنی پڑے گی۔ لیکن اصلاحی کوششوں کے متعلق کوئی رائے قائم کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ بلدیہ کے متعلق جو تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی گئی تھی اس کی تحقیقات کے نتائج معلوم ہوں۔

(پیام)

ہمارے ایک صحافتی جاسوس نے اطلاع دی ہے کہ "بلدیہ کی غلطیوں اور خرابیوں کے نتائج سے کشتی لڑنے کے لئے تحقیقاتی کمیٹی نے یہ سفارش کی ہے کہ عامل بلدیہ کو تین سال کی توسیع دی جائے۔" تحقیقات کا نتیجہ تو معلوم ہو گیا اب صرف "کشتی" کا نتیجہ معلوم کرنا ہے۔

مولوی ابوالحسن سید علی صاحب فرحت نگر کے جلسہ میلاد میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

"میں نے ایک ہفتہ وار اخبار میں جلسہ عام کی قرارداد پر تبصرہ پڑھا۔ مجھے اس اخبار کے ایڈیٹر کے قانونی اور اسلامی معلومات پر بڑا تعجب ہوا۔"

ہمیں بھی بڑا تعجب ہے کہ "اسلامی معلومات" کا ٹھیکہ آج کل ایسے لوگوں نے لے رکھا ہے جو میلاد کے جلسوں میں آیات قرآنی صحیح طور پر نہیں پڑھ سکتے۔

ذمہ دار حلقے اس کی توثیق کرتے ہیں کہ پوپ اور سوویٹ روس کے مابین گفتگو ہو رہی ہے۔ اس توقع کا اظہار کیا گیا ہے کہ سوویٹ یونین اور پوپ کے مابین ایک معاہدہ ہو جائے گا۔ (ایک خبر)

انقلاب زندہ باد!!

ہم یقین نہیں کر سکتے کہ اگر دودھ کی راشن بندی بھی شروع کی گئی تو اس کا کوئی بہتر نتیجہ ہوگا......

مولوی مقصود احمد خان صاحب نے اپنے بیان میں اس آنے والی مصیبت کے دفاع کی چند تجاویز پیش کی تھیں۔ اپنے تجربہ کی بنا پر موصوف کا اندازہ یہ تھا کہ شہر کی ضروریات سے چار ہزار من سیر دودھ کم ہو گیا ہے اور اس کمی کو دور کرنے کی بہتر صورت موصوف نے یہ بتائی تھی کہ شہر اور اس کے مضافات میں ایک ہزار دودھ دینے والے جانور اور بھیج دئیے جائیں۔ اور ضمانت پر دودھ مہیا کرنے والے لوگوں کے حوالے کر دیا جائے تو شہر کی ضروریات کو پورا کیا جا سکتا ہے۔

(پیام مورخہ ۳ فروری ۵۳ء)

ہم ایک بار پھر یقین دلانا چاہتے ہیں کہ شہر یا اس کے مضافات میں مولوی مقصود احمد خان صاحب کو کوئی شبہ نہ ہو کہ ڈیری فارم ان کا نہیں ہے۔

ایک غیر مصدقہ خبر ہے کہ:

"انجمن صحافت میں ایک قرارداد اس مضمون کی پیش ہونے والی ہے کہ محکمہ بلدیہ کو حکم دیا جائے کہ نہ تو اطلاعات کی سربراہی کی جائے اور نہ بلدیہ کے اشتہارات شائع کئے جائیں تاوقتیکہ رقم پیشگی وصول نہ ہو۔"

اگر ایسی قرارداد پیش ہوتی تو ہم اس کی سخت مخالفت کریں گے کیونکہ ایسی چیزیں عامل بلدیہ کے "سکون قلب" پر اثر انداز ہوتی ہیں۔

"۱۹۳۵ء کے آئین میں اچھوتوں کو جداگانہ انتخاب ملا تھا۔ اس کی گاندھی جی نے مخالفت کی اور باقاعدہ فاقہ کر کے انتخاب میں اچھوتوں کو ہندوؤں کے ساتھ رکھنے میں کامیاب ہو گئے۔" (قومی جنگ)

ریشمی کے تاگوں سے ڈنڈا بنا کر اگر مسلم لیگ کا مقصد ہو تو کیسی ہے کار بے بہا نہ۔

مجلس اتحاد المسلمین سکندرآباد کے زیر اہتمام پاکستان کے موضوع پر بات چیت کرنے کے لئے ایک جلسہ طلب کیا گیا جس میں مختلف نقطہ نظر کے حامل قائدین، علم دوست، اہل قلم اور سیاسی شعور رکھنے والے عوام شریک تھے۔ (ایک خبر)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا سکندرآباد ہی میں پاکستان قائم ہونے والا ہے یا پاکستان کا موضوع شوق تفریح کی تشنگی کے لئے بہت موزوں ہے۔

بمبئی کے دو بیوپاریوں کو دودھ سے آئس کریم بنانے کے الزام میں علی الترتیب ایک سو پچاس اور ایک سو روپیہ جرمانہ کیا گیا۔ (ایک خبر)

جب ہم یہ خبر ٹائمز آف انڈیا میں پڑھ رہے تھے سڑک سے آواز آ رہی تھی "آئس کریم علاؤالدین"۔

بنگال میں مردوں کے کپڑے چتا سے نکال کر فروخت کئے گئے۔ لاہور کے بازار میں لوگوں کی ٹوپیاں اڑائے جانے کے واقعات۔ (اخباری سرخیاں)

خبر رساں ایجنسیوں نے اب تک نہیں بتایا کہ حیدرآباد میں جوتوں کا کیا حال ہے۔

بارہ ہوئیں آمہر کانفرنس کا اجلاس دہلی میں شروع ہو رہا ہے اور یہ اعلان کیا گیا ہے کہ یہ کمیونسٹوں کی کانفرنس نہیں ہے۔

اس اعلان کے باوجود کمیونسٹ پچھلے دروازہ سے اس کانفرنس میں گھسنے کی کوشش کریں گے۔

ترکی کی جنگی قوت

بحری، بری اور ہوائی قوت کا اندازہ

لندن۔ دوران جنگ میں ترکی نے نصف لاکھ کے قریب فوج تیار کی ہے اس میں اب ۲۰ ڈویژن ہیں [illegible] بریگیڈ اور تین کیولری کے ڈویژن اور سات فورٹرس کمانڈ موجود ہیں تخمینہ لگایا جاتا ہے کہ ترکی تقریباً ۲۰ لاکھ فوج میدان جنگ میں اتار سکتا ہے۔

اس فوج کو لڑائی کی ضرورت کے مطابق تیار کرنے کے لئے اس میں بہت سے رد و بدل کئے گئے ہیں اور وہ لوگ بھی پہلے جو ملتوی کر دئے گئے تھے۔ ترکی میں فوجی خدمات کے لئے بلائے جانے کی عمر ۲۰ سال ہے اور فوجی خدمات کی مدت تین سال ہے جس کی حد ۴۶ سال کی عمر تک ہے سال میں تقریباً ایک لاکھ ۵۰ ہزار سپاہی تیار کئے جاتے ہیں جن میں سے نصف کو خدمت کرنی ہوتی ہے۔ ترکی کی فوج میں لوگ زیادہ تر دیہات سے لئے جاتے ہیں۔

ترکی کی بحری قوت چالیس جہازوں سے کچھ زیادہ ہے۔ یہ جہاز اکثر چھوٹے ہیں اور تجربہ کار افسران کی تعداد تقریباً سوا دو ہزار اور آدمیوں کی چار ہزار ہے جو خاص خاص جہاز پر ہیں۔

جنگی جہاز ینیل غب یاوز تقریباً ۲۳ ہزار ٹن کا ہے اور پہلے یہ جرمنی کا جہاز گوبن تھا یہ سمندر میں ۱۹۱۱ء میں اتارا گیا تھا اور اس پر گیارہ انچ کی دس توپ موجود ہیں۔

دوسرے جہاز حمیدیہ اور مجیدیہ ۲۰، ۲۲ اور ۳۰ ٹن کے ہیں یہ دونوں جہاز ۱۹۰۳ء میں اتارے گئے تھے دو گن بوٹ تین، ماین بچھانے والے جہاز آٹھ تباہ کن جہاز اور ۱۲ فرلو کشتیاں۔

نئے بحری اڈے گولجک کو جو خلیج عصمت میں ہے بڑھایا جا رہا ہے اور بہتر بنایا جا رہا ہے۔

ترکی ہوائی قوت اور اس میں جو جدید ترقیاں کی گئی ہیں وہ راز میں رکھا گیا ہے لیکن ۱۹۳۸ء میں اس کی قوت تقریباً ۳۰۰ جہاز اور ۵۰۰ تجربہ کار آدمی تھے اس وقت ترکی کے پاس تین ہوائی بریگیڈ ہیں جن میں سے ہر ایک میں دو ہوائی رجمنٹ اور دو دو لاکھ [illegible] دستے ہیں۔

ترکی جنرل اسامات کے ماتحت ہوائی قوت کمانڈر [illegible] امریکن اور جرمن ہوائی جہاز موجود ہیں۔

۳۰ [illegible] کے قیام گاہ [illegible] کا [illegible] ہے اور شرکت کی عام اجازت ہے (اے۔ پ)

ہٹلر کا اعلان

قوم کو جان توڑ مقابلہ کا حکم

لندن۔ ۱۱ مارچ۔ جرمن خبر رساں ایجنسی نے آج یوم سوگ کے موقع پر ہٹلر کا اعلان شائع کیا ہے یہ اعلان جرمن فوج کے نام جاری کیا گیا ہے اور اس میں لکھا ہے کہ سرمایہ داری اور بالشویت کے درمیان یہودیانہ اتحاد نے جو آج یورپ کے لئے خطرہ کا باعث بنا ہوا ہے اب اس زبردست اسلحہ بندی کے چہرے سے نقاب الٹ دیا ہے جو روس ہمارے براعظم کو برباد کر دینے کے لئے باقی دنیا سے چھپ کر کر رہا تھا۔ تاہم جرمن دشمن جسے اس کے بیشتر اتحادیوں نے شرمناک طور پر چھوڑ دیا اب تقریباً چھ برس سے فوجی مقاومت کر رہی ہے اور نمایاں کامیابی حاصل کر چکی ہے۔ حالانکہ اب قسمت بظاہر ہمارے خلاف ہو گئی ہے۔ لیکن بات میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا کہ مستقل مزاجی، قوت برداشت اور ارادے کی شدت سے اس پر قابو پا لیا جائے گا جیسا کہ اس سے پہلے اکثر ہو چکا ہے۔

میرا یہ اٹل فیصلہ ہے اور ہم سب کو اس بات کا پکا ارادہ کر لینا چاہئے کہ ہم آنے والی نسلوں کے سامنے جو مثال پیش کریں وہ اس مثال سے خراب نہ ہو جو ہماری پچھلی تاریخ نے ہمارے لئے چھوڑی ہے اسی لئے ۱۹۱۸ء کبھی دوہرایا نہیں جائے گا۔ ورنہ ہم سب جانتے ہیں کہ جرمنی کا کیا حشر ہوگا۔

"ہمارے دشمن ... نتیجے کے طور پر جرمن قوم کو فنا کر دینے کا اعلان کر چکے ہیں۔ آج عام بھرتی کی دسویں سالگرہ کے موقع پر ایک ہی حکم ہے۔ جان توڑ ارادے کے ساتھ ہر امکانی کوشش کرو۔ خطرے کا مقابلہ کرو اور قسمت کا پانسہ پلٹ دو۔ جو لوگ اس حکم کا مقابلہ کرنے کی کوشش کریں انہیں فنا کرنے کے لئے بھی ہمارا ارادہ اتنا ہی پختہ ہونا چاہئے تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسے وہی ہیں جو کمزوری دکھاتے ہیں۔ اور اس دنیا کا خالق انہی لوگوں کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کریں۔

ہر شخص جانتا ہے کہ ہمارا فرض کیا ہے۔ مقابلہ کرتے رہنا اور دشمن پر اس وقت تک ضرب لگاتے رہنا جب تک کہ وہ قطعی طور سے تھک کر گر نہ جائے۔"

ایران اور دول عظمیٰ

لندن ۱۰ مارچ۔ یونائیٹڈ اسٹینڈرڈ کے ایک نامہ نگار کو انٹرویو دیتے ہوئے شاہ ایران نے تجویز کے رد فرمایا کہ ۱۹۴۳ء کے اعلان طہران کے مطابق ایران کی معاشی فلاح و بہبود کی راہ میں کوئی رکاوٹ حائل نہ ہونی چاہئے اور اس کی آزادی مستحکم تر ہونی چاہئے۔ آپ نے فرمایا کہ ایران نے موجودہ جنگ میں اتحادیوں کی جس طریقہ پر امداد کی ہے اس کا تقاضہ یہ ہے کہ اتحادی اقوام خصوصاً دول عظمیٰ ایران کے ساتھ کامل ہمدردی کا اظہار کریں اور اس پر اپنی پوری توجہ مرکوز رکھیں اور اسے ایک وفادار حلیف تسلیم کریں۔ دنیا کو چاہئے کہ ہم نے جو کچھ بھی کیا ہے اسے تسلیم کرے اس لئے کہ انصاف کا یہی تقاضہ ہے۔ ہم کوئی آخری وقت کے حلیف نہیں ہیں اس لئے اتحادی اقوام کی صف میں ہمیں ہمارے شایاں شان جگہ ملنی چاہئے۔

اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے جلالت الملک شاہ ایران نے فرمایا ایران کی بڑی سیاسی خواہش یہ ہے کہ ہر سہ دول عظمیٰ کے ساتھ دوستی بڑھائے۔ آپ نے اس پر زور دیا کہ سان فرانسسکو کانفرنس میں عالمی سیاسی صورت حال کے مسائل حل کرتے وقت ایران کا بھی خیال رکھا جائے۔ جب شاہ سے یہ سوال کیا گیا کہ معاشی و معدنی وسائل کے سلسلہ میں کیا حکومت ایران بیرونی دول سے کسی قسم کا معاہدہ کرنا چاہتی ہے تو شاہ ایران نے فرمایا "ہماری پالیسی یہ ہے کہ جب تک تمام بیرونی افواج ایران سے نکل نہ جائیں۔ معاشی اور معدنی وسائل کی نسبت کسی قسم کی مراعات کے سلسلہ میں کوئی گفت و شنید نہ کی جائے۔"

آپ نے اس کا بھی انکشاف فرمایا کہ صدر امریکہ پریسیڈنٹ روزولٹ نے آپ کو امریکہ آنے کی دعوت دی ہے لیکن آپ کسی مناسب و موزوں موقع کے منتظر ہیں۔

انجمن اشاعت عربی

حیدرآباد ۹ اردی بہشت۔ انجمن اشاعت عربی کی ذیلی کمیٹی رابطہ تالیف و ترجمہ کا افتتاحی عربی جلسہ مولانا عبد القدیر صاحب بدایونی کے مکان پر گزشتہ جمعہ کی شام کو منعقد ہوا۔ نواب حسن یار جنگ بہادر، مولوی ابو تراب صاحب ناظم تعمیرات کے علاوہ کافی تعداد میں افاضل کا اجتماع تھا۔ پروفیسر حسن الاعظمی نے عربی انقلاب کی تشریح کی اور مسلمانوں کو مادری زبان عربی بنا لینے پر زور دیا اور ہر ممکن ذرائع سے عربی کو عام کرنے کی تلقین کی۔ علامہ عبد اللہ رشید نے عربی زبان میں ایک بلیغ و فصیح تقریر کی۔ محمد عادل صاحب نے دائرۃ المعارف کی خدمات پر تقریر کی۔ مولانا عبد القدیر صاحب بدایونی، مولوی خواجہ محمد احمد صاحب اور مولوی عبد القدوس صاحب ہاشمی نے "عربی مسلمانوں کی زبان بن سکتی ہے یا نہیں" کے عنوان پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ مولوی ریاض الحق صاحب نے سیاحت امریکہ پر تقریر کر کے بہت محظوظ کیا۔ مولوی غلام دستگیر صاحب رشید نے حدیث نبوی کی تشریح کی۔ تلاوت قرآن مجید اور نعتیہ میں سید محی الدین مدنی اور ایک خاتون آنسہ زبیدہ بیگم نے پس پردہ حصہ لیا۔ آخر میں جلسہ مولوی ابو تراب صاحب ناظم [illegible]

مذہب پر کمیونسٹوں کے اعتراضات

از
جناب سید اختر علی صاحب

مذہب پر کمیونسٹوں کی طرف سے بھی گاہ بگاہ لب و لہجہ میں خاص نقطۂ نظر کے ماتحت برابر اعتراض کئے گئے ہیں۔ چنانچہ کمیونزم کے ایک بڑے رکن کا یہ فقرہ آج کل زبان زد ہو رہا ہے کہ "مذہب عوام کے لئے افیون کا کام دیتا ہے"۔ مذہب غریبوں کو صبر و استقلال کی دعوت دیتا ہے۔ اور ان کو زندگی بھر کے لئے غلام بنا لیتا ہے آئندہ دنیا میں انعام پانے کے لئے سرمایہ داروں کو مذہب رحم دل بننے کی دعوت دیتا ہے اور اس طرح ان کے لئے جنت کا ارزاں ٹکٹ مہیا کرتا ہے۔ ایک اور ممتاز کمیونسٹ کا خیال ہے کہ "مذہب روحانی ظلم کا ایک آلہ ہے"۔ دوسرے صاحب کا ارشاد ہے "ہماری سوسائٹی میں خدا کی کوئی ضرورت نہیں"۔

اگر مذہب کے دائرہ میں وہ اوہام اور رسم و رواج داخل ان لئے جائیں جو انسان کے قوائے عمل کو شل کرتے ہیں اور اس کے دماغی قوتوں کو مفلوج بناتے ہیں تب تو اس قسم کے اعتراضات میں ضرور وزن ہے ایسی صورت میں مذہب عوام کے لئے افیون کا کام بھی کر سکتا ہے۔ اور ایسے خدا کی جو ان اوہام و رسوم کے اعتقاد کو ہم پر زبردستی مسلط کر دے ہمارے معاشرے کو کوئی ضرورت بھی نہیں رہتی۔ مگر وہ مذہب جو تفکر و تعقل کو ہر گام پر ضروری قرار دیتا ہے جو اوہام کا استیصال نہایت اہم بتاتا ہے جس کے پیش نظر انسانی معاشرت و تمدن کی ترتیب و تہذیب جو ہر آن جدلیاتی حیثیت میں بدلنے والی دنیا کا ہمیں باکار و فعال خلافت و نیابت انسان بنانا چاہتا ہے۔ جو سونے چاندی کے انبار جمع کرنے کو پیٹ میں "نار جہنم" بھر لینے سے تعبیر کرتا ہے نہ تو وہ عوام کے لئے افیون بن سکتا ہے۔ اور نہ خواص کے لئے بلکہ اس کے برخلاف وہ تو اپنی تعلیمات کی ترشی سے بے عملی کی شراب کا نشہ اتار دینے والا ہے۔ ایسے مذہب کے مقاصد میں سرمایہ داری کی لعنتوں کا دور کرنا ممتاز جگہ رکھے گا۔ ایسے مذہب کے نظام فکر و عمل میں امیر و غریب، سرمایہ دار و مزدور، زمیندار اور کسان ایک ہی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ اس کی ہدایتوں پر عمل کرنے کے بعد جنت کا دروازہ یکساں طور سے ہر ایک کے لئے کھلا ہوا ہے۔ جو مذہب اس قدر ہمہ گیر مساواتی نظام عمل رکھتا ہو اس پر افترا کی رہنمائی کے طرز کے یہ تیر کس طرح کارگر ہو سکتے۔

یہ ضرور ہے کہ مارکس وغیرہ نے دنیا کی موجودہ حالت بہتر بنانے کے متعلق جو پروگرام تجویز کیا ہے اس سے مذہب کو اکثر مقامات پر اختلاف ہے۔ دولت کی تقسیم کے متعلق کمیونزم کا جو نقطۂ نظر ہے۔ اس سے حقیقی مذہب کا زاویۂ نگاہ الگ ہے۔ وہ اس کے تقسیم دولت کے نظریہ کو کمزور اور بڑی حد تک غیر عملی سمجھتا ہے۔

اسے بھولنا نہیں چاہیئے کہ مذہب کے پس منظر میں ایک ما فوق و ناظر رب الارباب کا اعتقاد موجود ہے۔ اور کسی مارکسی اشتراکیت اس اعتقاد سے محروم ہے اس وقت یہ مابعد الطبیعاتی بحث چھیڑنے کا موقع نہیں ہے۔ کہ یہ اعتقاد ڈیکارٹ وغیرہ کے علی الرغم کتنے مستحکم دلائل کی اساس پر قائم ہے۔ تاہم جہاں تک اس اعتقاد کی عملی افادیت کا تعلق ہے یہ وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اعتقاد بالا انفرادی و اجتماعی حسن سلوک کی مضبوط ضمانت ہے۔ لیکن یہی ضمانت مارکسی اشتراکیت کو اس اعتقاد کی محرومی کی وجہ سے میسر نہیں ہے۔ اپنے اس نقص کی وجہ سے مروجہ اشتراکیت خلا میں معلق ہے اس کے قدم ٹھوس زمین پر قائم نہیں ہیں۔ وہ اس کمی کی تلافی قوت ہی کے مظاہرے سے کرتی ہے اور کر سکتی ہے۔ جہاں اس قوت میں کمی آئی اشتراکی نظام کی بنیادوں کو خطرہ لاحق ہوا۔ انسان فطری طور سے ذاتی لذتوں اور آسائشوں کی جستجو میں رہتا ہے۔ اپنی ذات کے لئے اپنے مذاق کی لذتیں فراہم کرتے وقت وہ دوسروں کو بالکل ہی نظر انداز کر دینے کی طرف رجحان رکھتا ہے۔ یہ رجحان اسی وقت تک دبا رہ سکتا ہے جب تک کہ وہ دوسروں کے عیش و آرام کی حدود میں قدم رکھنے سے اپنے قوے کے قائل ہونے کا خطرہ محسوس کرتا ہے جہاں یہ خطرہ نہ ہوگا اس کا یہ رجحان بھی آزاد ہوگا۔ اس بے خطروں سے دور گوشہائے خلوت کے اخلاق و معاشرت کی دیکھ بھال کی صلاحیت مارکسی نظام میں نہیں ہے۔ سرمایہ داری کی لعنتوں کا ختم کرنا یقیناً ایک اہم انسانی فریضہ ہے۔ اور اسے ختم کئے بغیر انسان چین نہیں لے سکتے یہاں تک تو کمیونزم کے نقطۂ نظر سے کسی سچے مذہب کو اختلاف نہیں ہو سکتا۔ البتہ جہاں سے بعض مذہب و اخلاق کے خلاف اس نے زہر اگلنا شروع کیا ہے۔ وہاں سے اختلاف کی حدیں شدت کے ساتھ شروع ہو جاتی ہیں۔

ہرڈوہرنگ آخری صدی میں کیمبرج یونیورسٹی کا پروفیسر تھا۔ اس نے اشتراکیت سے وابستہ ہونے کے بعد ایک ضخیم و عظیم کتاب لکھی۔ اس نے اس کتاب میں ایک جگہ لکھا ہے۔ "اشتراکی سوسائٹی کا فرض ہوگا کہ وہ مذہبی طلسم کا سارا اسباب و سامان ختم کر دے" یہ سچ ہے کہ فریڈرک اینجلز مارکس کے بعد کمیونزم کے ممتاز موسس نے ہرڈوہرنگ کی کتاب پر رد لکھی ہے۔ اور مذہب کے متعلق ہرڈوہرنگ کے انتہا پسندانہ خیالات کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا ہے۔ مگر اسی کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ فریڈرک اینجلز کے نزدیک بھی مذہب غلط چیز ہے۔ اس کی رائے میں بھی یہ ہے کہ سرمایہ داری کے ختم ہونے کے ساتھ مذہب بھی خود بخود ختم ہو جائے گا کیونکہ مذہب اس کے خیال میں سرمایہ داری سے وابستہ ہے۔ لہٰذا مذہب کے خلاف اس طرح کا جنگ قائم کرنے کے وہ موافق نہیں ہے۔ اس معمولی اختلاف کے باوجود یہ تو واضح ہی ہو جاتا ہے کہ مذہب سے کمیونزم کے اصلی ارکان کو بیر ہے۔ وہ اتنا تو صاف صاف کہتے ہیں کہ "الحاد مارکسیزم کا اہم جزو ہے"۔ "مارکسیت مذہب کے ساتھ نہیں سمجھائی جا سکتی"۔ "کمیونزم کا ملحدانہ عنصر ہی اس کی مادی افادیت اور عام منفعت رسانی کے نظریہ کو تمام کر دیتا ہے"۔

یہاں اس سے بحث کی ضرورت نہیں ہے کہ کمیونزم میں مذہب کی مخالفت اس شدت کے ساتھ کیوں اختیار کی گئی۔ وہ مقامی کلیسا کی غیر روا داریوں اور اس کے حکومت کے آلۂ کار ہونے کو بھی پیش نظر رکھیں گر یہ سوال رہ جاتا ہے کہ مذہب کی مخالفت کو خصوصی ہونا چاہئے تھا۔ اسے ان اشتراکیوں نے استدلال کے غلط استعمال سے عمومی کیوں بنا دیا؟ اور ہر مذہب کو سرمایہ داری سے وابستہ کیوں فرض کر لیا۔

اس سلسلے میں یہ بات بھی قابل گزارش ہے کہ مذہب سے وابستگی کسی نہ کسی شکل میں موجود انسانی فطرت کا جزو ہے۔ ممکن ہے کبھی یہ وابستگی بعض پہلوؤں سے اوجھل ہو جائے لیکن اس کا یہ اوجھل ہونا بہت ہی عارضی چیز ہوتی ہے۔ لیکی نے اپنی مشہور کتاب ہسٹری آف یورپین مارلس کی پہلی جلد میں لکھا ہے۔ "ان سب سے بالاتر قوی تر سبب نفس انسانی ایک نہ مٹنے والا جذبہ ہوا۔ وہ کون جذبہ؟ مذہب کا جذبہ۔ مذہبیت دراصل انسان کی جبلت میں، انسان کی سرشت میں، انسان کے خمیر میں داخل ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ اس کے برگ و بار بارہا مرجھا گئے لیکن اس کی جڑوں کی قوت قائم رہی۔ بلکہ میرے نزدیک تو مذہب کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل ہی یہ ہے کہ یہ جذبہ ہر ہستی کو ویسا ہی عطا ہو سکنے والا جز ہے جیسے ہمارا جسم اور ہمارے قویٰ۔ روا نہیں ہے کہ کوشش کر کے انسان کی توجہ مذہب و الٰہیات کے مباحث سے ہٹا کر تمام تر خلائی مسائل پر مصروف رکھیں۔ یہ کوشش زیادہ دور تک چلنے والی نہیں کچھ روز تو مذہب سے متعلق کی لیکن جبلت کے نقش کون مٹا سکتا ہے؟ پھر مذہب اچھلا اور اس زور کے ساتھ چلا کہ اور افکار و تخیلات

رفتہ رفتہ سب کو اپنے ساتھ بہا لے گیا۔ پہلی صدی عیسوی تک تو مذہب سے بے اعتنائی برتی گئی لیکن اس کے بعد انکار کی بجائے استبداد سے کام لینا شروع کیا۔ حکومت نے اس کی روک تھام کرنی چاہی مگر مذہب کی قوت کے آگے کچھ نہ چل سکی۔ بالآخر خود حکومت اس کی تائید پر آمادہ ہو گئی۔

کسی نے مذہب کے متعلق سطور بالا میں جو کچھ لکھا ہے وہ صحیح ہے۔ مذہب سے کوئی بھی گریز ہونے کی کتنی ہی کوشش کرے مگر اس سے مستقل طور سے الگ نہیں ہو سکتی۔ جو چیز سرشت میں داخل ہے اس سے علٰحدگی ممکن ہی کیونکر ہے؟ جرمنی کے مشہور نفسی ماہر پروفیسر اسپرانگر نے بھی کچھ اسی سے ملتی جلتی رائے ظاہر کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں: "مذہبی احساس کسی شخص کے ارتقائے نفس میں ایک گھڑی ہی کی طرح ساتھ رہتا ہے۔ کسی کے یہاں زلزلہ اور طوفان اٹھاتا ہے۔ کسی کے دل میں اس طرح رہتا ہے کہ اس کی گہرائی یا اصلیت کا شعور تک نہیں ہوتا۔ لیکن ہر صورت میں ساری زندگی کا آغاز و انجام یہی ہے۔" مذہب کی اس حیثیت پر نظر کرتے ہوئے مجھے اس کا یقین ہے کہ آج جو قومیں مذہب سے الگ دکھائی دیتی ہیں کل ان کی یہ صورت حال نہ ہوگی۔ اس کا رد عمل بہت جلد ہوگا۔ وہ دن دور نہیں ہے جب کمیونزم بھی اپنی حدود روس میں اس تبدیلی کے آثار ظاہر ہونا بھی شروع ہو گئے ہیں۔

مارکس کے پیرو حیات انسانی کا مادی تصور رکھیں اور بظاہر یہ کہے جائیں کہ اس دنیا کے حالات کی توجیہ و تشریح کے لئے کسی ماورائے عقل ہستی کے ماننے کی ضرورت نہیں ہے تو مذہب بھی یہ نہیں کہتا کہ مادی دنیا کے حالات و واقعات کی توجیہ میں مادی علل و اسباب نظرانداز کر دیے جائیں۔ اس کا نقطہ نظر بھی یہی ہے کہ یہاں کے مادی حالات و کیفیات مادی اسباب و علل کا نتیجہ ہیں اور ہمیں اپنی مادی فلاح و بہبود کے لئے مادی اسباب سے کام لینے کی ضرورت ہے لیکن وہ صرف اپنے کو مادیت کا پابند بنانا نہیں چاہتا ہے۔ وہ نفسیاتی و نفسی وجوہ کی بنا پر ایک ماورائے طبیعت ہستی ضروری مانتا ہے اور ایسا عقیدہ اس دنیا میں انسانی حیثیت سے ایک بااخلاق بننے کے لئے ضروری بھی ہے۔

اس طرح ادب اور مذہب اور ادب و اخلاق کی بحثیں ہوتی رہی ہیں ان کے سلسلے میں خصوصیت سے کمیونسٹوں کی طرف سے مذہب کے خلاف یہ اعتراض بھی پیش کیا جاتا ہے کہ مذہب کے دائرہ کے اندر رہ کر ادب پنپ نہیں سکتا ہے کیونکہ مذہب ان کی نظر میں چند مابعد الطبیعی اصول و قوانین کے اعتقاد کا مجموعہ ہے جو منجمد اور اس کی تائید کا اعتقاد۔ اس کے برخلاف ادب زندگی کے ساتھ رہتا ہے جو ہر آن بدلتی رہتی ہے اس لئے ان دونوں میں اتحاد کی صورت نہیں نکلتی۔ لہٰذا ہر حقیقی شاعر، ادیب کا حجاب ادب کے لئے مذہب سے دستکشی ضروری ہے۔

اس اعتراض کا رخ اگر ان مذہب ہی کی طرف رکھا جائے جو مابعد الطبیعاتی نوعیت یا مشہور فلسفیانہ حیثیت کے چند عقائد کے ماسوا انسانی زندگی کے تمام دوسرے شعبوں کو "حلقہ بیرون در" قرار دیتے ہیں تو اس کا مطلب کچھ ہی آ سکتا ہے لیکن وہ مذاہب جو مابعد الطبیعاتی نوعیت کے چند اساسی تصورات کے اعتقاد کے ساتھ ساتھ انسانی زندگی کے تمام اخلاقی و معاشرتی و تمدنی پہلوؤں کو بھی اپنے دائرہ سے نہیں الگ کرتے تو ان کے مقابلے میں یہ اعتراض بے معنی ہو جاتا ہے کیونکہ ایسی حالت میں مذہب محض قسم کے چند عقائد کا مجموعہ نہیں ہوتا۔ بلکہ اب اس کی گرفت زندگی کی ہر سانس میں، زندگی کے دل کی ہر دھڑکن میں، زندگی کے نبض کی ہر تڑپ میں موجود ہوگی۔ اس کے قوانین میں زندگی کے تغیرات کا لحاظ ہوگا۔ انہیں تغیرات کے لحاظ سے اس کی جزئیاتی نشانیں ہر آن بدلتی رہیں گی۔ وہ ارتقا کے پہلو سے اپنے چلنے کی صلاحیت رکھے گا۔ اس صورت میں کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ ادب و شعر مذہب کے دائرہ میں نہ پنپ سکیں۔

اصل تو یہ ہے کہ ادب مذہب کے سایہ میں رہ کر زندگی کی اعلیٰ قدروں سے روشناس ہوتا ہے گا۔ اور اس طرح اس میں ایک قسم کا غلو پیدا کرنے کا باعث ہوگا۔ مذہب کے سائے میں رہ کر جو ادبی شاہکار سرسبز ہوئے ہیں ان کے مقابلے میں وہ تصنیفات ذکر کے قابل بھی نہیں ہیں۔ جنہیں مذہب کا سایہ نصیب نہ ہو سکا۔ خود وہ کتابیں جو اہل مذہب کے عقیدے میں ربانی وحی و الہام کا نتیجہ ہیں مثلاً قرآن، انجیل وغیرہ ان کی تعلیمی حیثیت سے اگر قطع نظر بھی کر لی جائے اور ان پر محض ادبی حیثیت سے نظر کی جائے تب بھی ان کا ایک ایک جملہ حیرت و اعجاز کر دینے والا نظر آئے۔ یہ واقعہ خود اس کا ثبوت ہے کہ ادب اور مذہب میں کوئی منافرت نہیں ہے۔

مرکزی مقننہ میں کپڑے کی قلت پر مباحثہ

نئی دہلی ۱۲ مارچ۔ مرکزی مقننہ میں پارچہ جات کی صورت حال پر بحث کرنے کی غرض سے ایک تحریک التوا پر مباحثہ کے دوران میں مسٹر [illegible] نے کہا کہ سوت اور پارچہ کی قلت ملک میں عام طور پر اور بنگال میں خاص طور پر بہت نازک حالت پر پہونچ گئی ہے بنگال کو جو کوٹا دیا گیا ہے وہ بہت تھوڑا ہے دوسرے صوبوں کے کوٹے کے مقابلہ بنگال کا کوٹا نصف ہے اطلاع ملی ہے کہ بعض عورتیں ساڑیوں کے دستیاب نہ ہونے پر برہنہ رہیں اور مارے شرم کے انہوں نے خودکشی کر لی۔ کلکتہ میں دھوتیاں اور ساڑیاں نہیں مل رہی ہیں یہ اطلاع بھی ہے کہ ہندوؤں کے مکانوں سے جہاں مردوں کو نذر آتش کیا جاتا ہے مردوں کا کفن لے کر بازار میں فروخت کیا گیا۔ انہوں نے اس طرف اشارہ کیا کہ بنگال کے وزراء دیہات میں بھی کھادی کے استعمال کا پرچار کر رہے ہیں اور انہوں نے امید ظاہر کی کہ مرکزی حکومت کے ارکان بھی وزراء بنگال کے نقش قدم پر چلیں گے۔

سر [illegible] اور مسٹر [illegible] کے کارکنوں نے خاص طور پر بنگال میں سوت اور پارچہ کی قلت کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ فی الواقع ۵۵ ہزار گانٹھوں کے مقررہ کوٹے کے خلاف اس صوبہ کو ۱۰۹ ہزار گانٹھیں دے گئے اس صوبہ میں کپڑے کی قلت کا سبب سر [illegible] کے خیال کے مطابق چوری میں کپڑے کی خلاف قانون درآمد میں اضافہ ہوتا ہے جہاں کپڑا [illegible] روپیہ فی گز فروخت کیا جا رہا ہے حال تک تبت میں کپڑے کی برآمد پر کوئی امتناع نہیں تھا اور انہیں بتایا گیا ہے کہ تبت کے راستے سے چین جاتے ہوئے کپڑے کی کثیر مقدار پائی گئی۔

سر [illegible] نے اس الزام کی تردید کی کہ [illegible] کے عادی ہو گئے ہیں سلسلہ کلام جاری رکھتے سر [illegible] نے بیان کیا کہ پارچہ بافی کے کارخانے اپنے گھریلو ضروریات کو پورا نہیں کر سکتے تھے ...... بعض سیاسی وجوہ کی بنا پر حکومت چاہتی تھی کہ مشرق وسطیٰ کے بعض ممالک کو کپڑے کی برآمد کی جائے جہاں کوئی نگرانی نہیں ہے اور جہاں کی حکومتوں نے ہندوستان سے کنٹرول کے نرخ پر کپڑے کی خرید میں ۵ فی صدی منافع مقرر کر دیا۔

مسٹر [illegible] کی تحریک کی تحقیقات کے بعد مقننہ نے مسٹر اے ایم ڈام کی تحریک کو ۵۰ بمقابلہ ۴۳ آراء کے منظور کر لیا جس میں صوبوں کے کنٹرول اور نگرانی کے کاموں کے متعلق حکومت ہند کی مذمت کی گئی۔

تحفظ امن عالم کے لئے ایک جدید ادارہ کی تشکیل

بقیہ سلسلہ صفحہ (۳)

بڑی تیزی سے بڑھتی جا رہی ہے۔ تیسری ایک اشتراکی ریاست سوویت یونین ہے۔ اس کے علاوہ چین ہے جو ایشیا کی محکوم اقوام کی جنگ آزادی کی نمایندگی کر رہا ہے پھر یورپ کے ممالک مثلاً فرانس یوگوسلاویہ پولینڈ اٹلی وغیرہ بھی ہیں جہاں اس جنگ کے دوران میں عوام نے اپنی آزادی کی تحریکوں کے ذریعے اپنی جمہوری حکومتیں قائم کر لی ہیں۔ غرض کہ متحدہ اقوام میں جو حکومتیں شامل ہیں وہ ان حکومتوں اور عوام دشمن حکومتوں سے بالکل مختلف ہیں جنہوں نے گزشتہ جنگ عظیم کے بعد سوویت یونین میں فوجی مداخلت کر کے اور ہر ملک میں عوام کے انقلاب کو کچل کر انجمن اقوام کی بنا ڈالی تھی۔

تیسرا فرق انجمن اقوام اور ڈمبرٹن تجویز میں یہ ہے کہ انجمن اقوام نے اجتماعی حفاظت کو بتا تو ضرور دیا مگر بڑی طاقتوں کو اجتماعی حفاظت کرنے کے لئے کبھی ذمہ دار نہیں بنایا اور نہ اجتماعی حفاظت کے لئے کسی قسم کے فوجی انتظامات کئے۔ اس کے برعکس ڈمبرٹن تجویز میں امن قائم رکھنے کی ذمہ داری براہ راست دنیا کی سب سے بڑی قوموں پر ہے۔ اور اس مقصد کے لئے ایک حفاظتی مجلس قائم کرنے کی تجویز کی گئی ہے۔ دنیا کی بڑی قومیں اس مجلس کی مستقل رکن ہوں گی۔ اس حفاظتی مجلس کے تحت ایک مجلس عاملہ ہوگی جس میں ان بڑی قوموں کے فوجی اسٹاف کے صدر شامل ہوں گے۔ اور وہ امن قائم رکھنے کے لئے تمام فوجی انتظامات کریں گے۔ فوری ضرورت کے لئے ہوائی بیڑوں سے کام لیا جائیگا۔

معاشی اور سماجی تعاون کو برقرار رکھنے کے لئے ایک متحدہ کونسل قائم کی جائے گی۔ حفاظتی مجلس کو معاشی مسائل سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔

معترضین کا کہنا ہے کہ ان بڑی طاقتوں کو امن عالم کا ذمہ دار بنا کر انہیں در اصل دنیا کے سیاہ سفید کا مالک بنا دیا گیا ہے۔ لیکن یہ اعتراض در اصل سادہ لوحی پر مبنی ہے۔ اس وقت دنیا میں تین ملک برطانیہ امریکا اور سوویت یونین سب سے زیادہ طاقتور ہیں یہ ایک حقیقت ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اپنی طاقت سے کام لے کر یہ تین بڑے ملک دنیا میں امن قائم رکھنے کی کوشش کریں جنگجو قوموں کو جنگجو قوموں کی دست برد سے بچائیں یا جیسا ۱۹۳۵ء میں ... کو مسولینی کو ... کی آزادی سے کھیلنے دیں۔ ... دنیا کے عوام انجمن اقوام سے یہ مطالبہ کر رہے تھے کہ وہ حبشہ ... کمزور قوموں کو فاشسٹوں کی ہوس ملک گیری سے بچائے لیکن بڑی طاقتیں انگلستان اور فرانس ...

وقت انجمن اقوام پر حاوی تھیں۔ انھوں نے فسطائیت کو روکنے کے لئے خود کوئی قدم اٹھایا اور نہ انجمن اقوام کو اٹھانے دیا۔ اس وقت ہمارے ملک کے سب سے بڑے جمہوریت پسند پنڈت جواہر لال نہرو نے بھی یہی مطالبہ کیا تھا۔ کہ برطانیہ اور فرانس کو سوویت یونین کے ساتھ مل کر ہٹلر اور مسولینی کے جنگجویانہ اقدامات کو روکنا چاہیئے۔ لیکن انجمن اقوام بنیادی قوانین میں امن قائم رکھنے اور اجتماعی حفاظت کے لئے بڑی قوموں کو براہ راست ذمہ دار نہیں بنایا گیا تھا۔ اس لئے برطانیہ اور فرانس کے رجعت پسند ان فرائض سے روگردانی کرنے میں بڑی آسانی سے کامیاب ہو گئے۔

ڈمبرٹن اوکس تجویز نے اس غلطی کا ازالہ کر دیا ہے۔ اس تجویز کی رو سے دنیا میں امن و امان قائم رکھنے کے لئے سوویت یونین امریکہ اور برطانیہ براہ راست ذمہ دار ہیں۔ اس ذمہ داری کو صاف صاف الفاظ میں لکھ دیا گیا ہے۔ برطانیہ اور امریکہ کے رجعت پسند اب کسی جنگجو حکومت کی ہمت افزائی کرنے اور عوام کو دھوکہ دینے کے لئے یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم ذمہ دار نہیں۔ سوویت یونین نے صاف لفظوں میں یہ لکھوا لیا ہے وہ اب وہ اس سے روگردانی نہیں کر سکتے۔

لیکن کچھ لوگ پوچھ سکتے ہیں کہ ان تینوں بڑوں میں تعاون قائم رکھنے کی کیا ضمانت ہے۔ اس کی کیا ضمانت ہے کہ امریکہ اور برطانیہ سوویت یونین سے نہ لڑنے لگیں گے؟ اس کی ضمانت تجویز ڈمبرٹن کانفرنسوں اور مذاکرات میں کاوش کرنا فضول ہے۔ اس کی ضمانت سوویت یونین کی اپنی طاقت ہے۔ اس کی ضمانت ہر ملک کے عوام ان کی تحریک اور اس تحریک کی طاقت ہے۔ اس کی ضمانت تمام جمہوری ملکوں کے عوام کا سچا اور پایدار اتحاد ہے عوام کی طاقت اور ان کے اتحاد کے مقابلہ میں رجعت پسندوں اور جنگ کے بھوکے بھیڑیوں کو سر اٹھانے کی ہمت نہیں ہوگی۔

امریکہ میں ہندوستانیوں کے توطن کا قانون

واشنگٹن ۲۴ مارچ۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ میں ہندوستانیوں کے توطن داخلے سے متعلق پریسیڈنٹ روزویلٹ کے خیالات ان کے ایک مکتوب میں درج ہیں جو انھوں نے توطن داخلی کی کمیٹی کے صدر کو روانہ کیا ہے۔ یہ کمیٹی اس خصوص میں ایک قانون کو رائج کرنے پر غور کر رہی ہے۔ پریسیڈنٹ روزویلٹ نے لکھا ہے کہ میں اس قانون کو اہم اور ضروری خیال کرتا ہوں اور میں امید کرتا ہوں کہ جنگ کے جیتنے اور مستقل امن کے قیام میں اس قانون سے بہیں مدد ملے گی۔ مجھے یقین ہے

کہ آپ کی کمیٹی ان عظیم خدمات سے واقف ہے جو ہندوستان نے اس جنگ میں اتحادی اقوام کو انجام دی ہیں۔ ہندوستانی فوج نے جو بالکل رضاکار فوج ہے یورپ افریقہ اور ایشیا میں بہادری اور کمال سے جنگ کیا ہے۔ ہندوستان خام اشیاء اور صنعتی اشیاء فراہم کر رہا ہے اور فراہم کرتا رہے گا جو اقدام جنگ میں بہت بڑی مدد ہیں۔ ہندوستانیوں کے خلاف امتیاز برتنے والی قانونی توضیحات کی موجودگی سے بدگمانیاں پیدا ہوں گی اور اس سے کوئی مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہ ہم دونوں اقوام کے رفاقت کے لئے غیر ضروری ...

بدیسی اشیاء کی درآمد سے ہندوستانی صنعتیں متاثر ہو رہی ہیں

بقیہ سلسلہ صفحہ (۱)

صنعتوں کی جو آئندہ شروع کی جائیں گی داخلی اور خارجی مسابقت کے خلاف جو آئین یا حفاظت دی جائے گی اس کا طریق کار اور اس کی وسعت۔ (۳) کیمیاوی بین الاقوامی انتظامات میں ہندوستان کی شرکت جس سے ممکن ہے کہ ہندوستان کے ذرائع کا استعمال ممکن ہوتا ہو۔ (بمبئی کرانیکل)

مشرقی محاذ پر ہزاروں جرمن گرفتار کر لئے گئے

ماسکو ۲۰ مارچ۔ مارشل روکوسوفسکی کے دستوں نے دریائے وچولا کے نیچے کی طرف بڑھتے ہوئے دریا کے مشرقی کنارے پر متعدد و مسلسل مقامات فتح کرلے۔ سرخ سپاہ کے دستوں نے جرمنوں کو گڈینیا کے شمال مغرب میں کئی شہروں سے نکال دیا ہے۔ دو شنبہ کو اس علاقہ میں ہزار سے زائد قیدی گرفتار کئے گئے۔

برلن کے مشرق میں اوڈر کے کنارے والے مستحکم جرمن مراکز پر اپنے آخری دھاوے میں روسیوں نے تقریبا تین ہزار قیدی گرفتار کئے جن میں وہاں کی جرمن سپاہ کا کمانڈر بھی شامل تھا۔

ہنگری میں جرمن جھیل بالاتون کے مشرق اور شمال مشرق میں ابھی تک دبابوں اور پیادوں کی طاقتور فوج جنگ میں جھونکتے جارہے ہیں۔ کل رات کے روسی اعلامیہ میں کہا گیا ہے کہ جرمنوں کو پھر شدید نقصانات اٹھانا پڑے۔

برلن کو بچانے کا عزم

برلن کے مشرق میں اوڈر کے متوازی روسی افواج کے اجتماع کے بعد جرمنوں نے آج کہا کہ دو لینے دار السلطنت میں وقت آنے پر انسانی تاریخ کی لڑائی لڑیگا۔

برلن کے دفاعی منطقہ کا کمانڈر اپنی پوری کوشش کرکے برلن کو ایک قلعہ میں تبدیل کر رہا ہے۔ یہ وہی شخص ہے جو اکتوبر ۱۹۴۱ء میں اپنے دبابے ماسکو کے مضافات تک لے گیا تھا چنانچہ اب خود اس کے دار السلطنت کی سلامتی خطرہ میں ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ برلن میں آخر دم تک معاومت کی جائے اس کے حکم نامہ کے الفاظ یہ ہیں۔

"ہمارا نعرہ وفاتح زمین پر بھی
اور زیر زمین بھی ہر چالاکی
اور فریب کے ساتھ "

مارشل روکوسوفسکی کی سپاہ ڈینزگ اور گڈینیا کے درمیان کے ساحلی علاقہ کے اندر لڑ رہی ہے کل اس کے دستوں نے کئی مقامات پر قبضہ کیا ہے۔ ان میں ایک ریلوے اسٹیشن بھی ہے جو گڈینیا سے صرف آٹھ میل پر ہے۔

ہنگری میں

ہنگری کے اندر کے معرکوں میں روسی توپچیوں نے ۳۰ دبابوں کو مار گرایا اور ۱۵ جرمن دبابوں کو روسی توپچیوں کی ہمی سرنگوں نے برباد کر دیا۔

مشرقی پروشیا میں بڑا روسی حملہ

شمالی محاذ کے علاقہ میں کونگسبرگ کے جنوب مغرب میں مشرقی پروشیا کے اندر ایک زبردست روسی حملہ کا ذکر جرمنوں نے بھی اعلان کیا ہے کہ انھوں نے ریل کو

شہر اور شور کھو دیا ہے جو گزشتہ کئی ہفتوں سے شدید لڑائی کا مرکز بنا ہوا تھا۔ یہ ریل کا شہر چیکوسلاواکیہ کے اندر بڈاپسٹ سے ۵۰ میل شمال کی طرف ہے۔ (رائٹر)

مشرق وسطی میں متحدین اپنی تجارتی منڈیاں قائم کرینگے

کیمبرج ۲۰ مارچ۔ جیمس ایم۔ لینڈس ہارورڈ یونیورسٹی کے لا اسکول کے ڈین نے امریکی پریس سرویس کے لئے ایک مقالہ سپرد قلم کیا ہے جس میں وہ مطراز ہیں کہ جنگ کے بعد امریکہ اور مشرق وسطی کے ممالک میں ترقی پذیر تجارت کے ذریعہ نہ صرف امریکہ کا فائدہ ہوگا بلکہ مشرق وسطی میں معیار زندگی کو زیادہ بلند کرنے میں مدد ملے گی۔

ڈین لینڈس حال ہی میں مشرق وسطی کے دورے سے واپس ہوئے ہیں جہاں انھوں نے ایک سال تک امریکی حکومت کی جانب سے بھیجے ہوئے معاشی وفد کی رہنمائی کی۔

لیبیا سے افغانستان تک مشرق وسطی کی اس اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے جو کہ یورپ، ہندستان اور چین کے درمیان ایک راستے کی حیثیت سے اس کو حاصل ہے موصوف نے لکھا ہے حفاظت کے متعلق کسی صحیح تشویش کی اساس ایسی ہونی چاہئے جس پر امن وسلامتی کی ضمانت حاصل ہوسکے اس کی سب سے بڑی بنیاد تجارت ہے ۔ ــــــــ جنکے اسباب کا تا تا بندھا ہے اور فراخ اس درجہ تک ترقی پائیں کہ ایک بہتر زندگی کی بڑھتی ہوئی ضروریات کو پورا کرنے میں وہ کافی ہوسکیں۔

مشرق وسطی میں جو چیز خاص طور پر ضروری ہے جہاں بیرونی مال، بیرونی سرمایہ اور بیرونی منڈیوں کی ضرورت ہوگی کیونکہ ان ہی ذریعوں سے وہ احتیاج در غربت وافلاس کی اس فضا سے اپنے آپ کو بلند کرسکے جو اکثر عدیم اعتماد، نفرت و جنگ و جدل کے جذبات کو پھیلایا کرتی ہے۔

آخر میں ڈین لینڈس نے اس حقیقت کا انکشاف کیا ہے امریکہ، برطانیہ، روس اور فرانس کی جانب سے اس جنگ میں جو روپیہ مصر، فلسطین، شام، عراق اور ایران میں خرچ ہوا ہے اس کے نتیجہ کے طور پر جہاں تک پیسہ کا تعلق ہے مشرق وسطی کے اکثر ممالک کی دولت میں اضافہ ہوچکا ہے۔

ہندوستان اور امریکہ میں خفیہ تجارتی معاہدہ

مسٹر جی ایس موتی لال کے ایک استفسار کا جواب دیتے ہوئے آج کونسل آف اسٹیٹ میں معتمد تجارت نے بیان کیا کہ یہ ہندوستان اور امریکہ کے مابین مجوزہ تجارتی معاہدہ کی شرائط کا انکشاف کرنے سے قاصر ہوں۔ موصوف نے وضاحت کی کہ یہ چیز بھی کسی طرح یقینی نہیں ہے اگر امریکہ سے کوئی تجارتی نوعیت کا معاہدہ طے ہو جائے تو امریکہ میں جن مشکلات کا ہندوستانی تاجر سامنا کرتے رہے ہیں ان میں کوئی افاقہ ہو جائے گا بالخصوص یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس معاہدہ سے ان قوانین پر کوئی اثر پڑے گا۔ جو دونوں ممالک میں جہاز رانی اور تجارتی سلسلہ میں سفری سہولتوں وغیرہ کے متعلق موجود ہیں۔ اور یہی ان قوانین کا متاثر ہونا یقینی ہے جو ہندستانیوں کے داخلہ اور بود و باش کے متعلق امریکہ میں ہیں۔ معتمد تجارت نے مزید بیان کیا کہ امریکہ میں ہندوستانیوں کے داخلہ کے حقوق کے متعلق دونوں ممالک میں علحدہ گفتگو ہو رہی ہے جس کا تجارتی تعلقات کے متعلق معاہدہ کی بات چیت سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ (اے پ)

اشتہار

بہ محکمہ عدالت اول تعلقداری ضلع عطف آباد
واقع ۱۷ اردی بہشت ۱۳۵۴ ف
نشان
مثل نمبر ۱۱۴ سنہ ۱۳۵۴ ف مرافعہ نظام آباد

مرافع۔ محمد مصلح الدین وکیل ساکن حیدر آباد۔
بنام۔ عبد القادر ولد محمد حب چٹی متاجر جسپ وغیرہ
مقدمہ: پٹہ سروے نمبر ۱۰۳۲ پرچوک موضع شندہ پور۔
تجویز اسپیشل افسری نظام ساگر کی ناراضی سے جناب مرافع بمقابلہ جناب درخواست مرافعہ پیش ہے۔ تمہارا پتہ نہ چلنے سے سمن کی تعمیل نہیں ہوسکی ہے بغرض سماعت مرافعہ تاریخ ۳۰ اردی بہشت ۱۳۵۴ ف مقرر کی گئی ہے۔ تم کو چاہئے کہ تاریخ مذکور پر اصالتاً یا وکالتاً حاضر ہوکر جواب دہی کریں۔ ورنہ یکطرفہ بحث کے سماعت کے بعد تجویز صادر کردی جائیگی۔

دستخط
مددگار

احمدیہ پریس چادرگھاٹ میں طبع ہو کر دفتر حکمت سے شائع ہوا